فکرو نظر۔۔۔۔ اسلام آباد جلد: ۳۶ شمارہ: ۳،۴

برصغیر کی چند اہم تفاسیر۔ ایک تقابلی جائزہ

خورشید احمد ندیم ☆

برصغیر میں قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیر کی تاریخ کئی سو سال پر محیط ہے اور اب تک بلاشبہ سینکڑوں تراجم، حواشی اور تفاسیر سامنے آچکی ہیں۔ یہ کام اگرچہ کئی زبانوں میں ہوا لیکن جس زبان کو سب سے زیادہ قرآن مجید کے جواہر کو اپنے دامن میں سمیٹنے کا اعزاز حاصل ہوا، وہ اردو زبان ہے۔ اس طرح عربی کے بعد اردو دوسری سب سے بڑی زبان ہے، جسے قرآن مجید کی خدمت کا شرف حاصل ہوا۔

برصغیر میں قرآن مجید کی خدمت کی جو سعادت شاہ ولی اللہ اور آپ کے خاندان کے حصے میں آئی اس کی کوئی دوسری مثال موجود نہیں۔شاہ صاحب کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں عام آدمی پر بھی فہم قرآن کے دروازے کھلنے لگے۔ ان کے بعد طویل عرصے تک ایک خلاء محسوس ہوتا ہے اور تفسیر کی دنیا میں کوئی نمایاں دکھائی نہیں دیتا۔ شاہ ولی اللہ کے تقریباً سو سال بعد مولانا ابوالکلام آزاد کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ انھوں نے رجوع الی القرآن کی صدا بلند کی جو برصغیر کے سارے اطراف میں پھیل گئی۔ سیّد سلیمان ندوی کے الفاظ میں " اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نوجوان مسلمانوں میں قرآن پاک کا ذوق مولانا ابوالکلام کے الہلال اور البلاغ نے پیدا کیا۔[1] " ترجمان القرآن" کے بعد برصغیر میں قرآن فہمی کی ایک نئی روایت کا آغاز ہوا اور اس کے نتیجے میں تفسیر قرآن کے میدان میں چند اہم علمی کاوشیں سامنے آئیں۔ ان میں سے بعض تفاسیر ایسی ہیں جن کے بارے میں

☆ ریسرچ ایسوسی ایٹ، عالمی ادارہ فکر اسلامی، اسلام آباد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی علمی تاریخ میں ان کی مثال ملنا محال ہے۔ یہ تفاسیر جہاں تفسیری اور علمی پہلو سے نمایاں ہیں وہاں ان کو عام مسلمانوں میں بھی پذیرائی حاصل ہوئی۔ ان کے تقابلی مطالعہ سے برصغیر کے مسلمانوں کے تفسیری رجحانات کو جاننے میں مدد ملتی ہے اور ان کے تفسیری اصولوں میں اختلاف لور اس کے نتیجے میں مفہوم قرآن میں جو فرق واضح ہوتا ہے، وہ بھی سامنے آتا ہے۔ ہم نے اس تقابلی مطالعے کے لیے درج ذیل تفاسیر کا انتخاب کیا ہے :

ا۔	ترجمان القرآن	مولانا ابوالکلام آزاد
۲۔	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع
۳۔	تفہیم القرآن	مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی
۴۔	ضیاء القرآن	پیر محمد کرم شاہ
۵۔	تدبر قرآن	مولانا امین احسن اصلاحی
۶۔	لغات القرآن / مفہوم القرآن	غلام احمد پرویز

ترجمان القرآن

مولانا ابوالکلام آزاد(المتوفی ۱۹۵۸ء) نے جب قرآن مجید کو اپنے غور و فکر کا موضوع بنایا تو ان کے پیش نظر تین طرح کے کام تھے :

ا۔ مقدمہ تفسیر ، البصائر

۲۔ البیان فی مقاصد القرآن

۳۔ ترجمان القرآن

مقدمہ تفسیر کے تحت مولانا قرآن حکیم کے مقاصد و مطالب پر اصول و مباحث کا مجموعہ مرتب کرنا چاہتے تھے۔ اس کے کم از کم بارہ ابواب نہ صرف لکھے جا چکے تھے بلکہ چھپ بھی گئے تھے۔ ان بارہ ابواب کے صفحات کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔(۲) مولانا نے "تذکرہ" میں ایک مقام پر لکھا ہے :

"شرح حقیقت تحریف شریعت علی الخصوص فتنتین عظمتین یونانیت و عجمیت
کے لیے مقدمہ تفسیر باب بست و یکم اور تفسیر فاتحہ الکتاب کو دیکھنا
چاہیئے"(۳)

البیان کے نام سے مولانا آزاد قرآن مجید کی ایک مکمل تفسیر لکھنا چاہتے تھے۔
"البلاغ" میں جب اس کا اشتہار شائع ہوا تو اس کے الفاظ یہ تھے:

"اس تفسیر کے متعلق صرف اس قدر ظاہر کر دینا کافی ہے کہ قرآن حکیم
کے حقائق و معارف اور اس کی محیط الکل معلمانہ دعوت کا موجودہ دور جس
قلم کے فیضان سے پیدا ہوا ہے، یہ اسی قلم سے نکلی ہوئی مفصل اور مکمل
تفسیر القرآن ہے"(۴)

مولانا نے ایک اور مقام پر بھی "البیان" اور "البصائر" کا ذکر کیا ہے۔ "تذکرہ"
میں سورۃ نور کی آیت نمبر ۳۵ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" یہ مقام منجملہ روح الروح معارف کتاب و سنت، و حقیقت الحقائق قرآن و
شریعت کے ہے جس کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ تفسیر البیان میں
ایک سے زیادہ مواقع پر اس کی تشریح و توضیح ملے گی اور اس سے بھی زیادہ
مقدمہ تفسیر موسوم بہ "البصائر" میں بہ عنوان حقیقت ایمان و کفر"(۵)

مولانا نے ہفتے کے سات دنوں کی تقسیم اس طرح کر رکھی تھی کہ تین دن
"البلاغ" کی تدوین و ادارت کے لیے وقف تھے، دو دن ترجمے کے لیے اور دو دن تفسیر کے
لیے۔ اپنی گرفتاری کے باعث مولانا جس طرح اپنے مسودات سے محروم ہوئے اس کی
تفصیل انہوں نے "ترجمان القرآن" کے دیباچے میں بیان کر دی ہے۔ اسی وجہ سے یہ
شاہکار مکمل صورت میں ہمارے سامنے نہ آسکے۔

خدمت قرآن کے حوالے سے جو چیز مولانا کا تعارف بنی، وہ
"ترجمان القرآن" ہے۔ مولانا نے اپنے الفاظ میں ترجمان کا تعارف کرواتے ہوئے البیان اور
البصائر سے اس کا فرق واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ترجمان القرآن کی ترتیب سے مقصود یہ تھا کہ قرآن کے عام مطالعہ و تعلیم کے لیے ایک درمیانی ضخامت کی کتاب مہیا ہو جائے، مجرد ترجمے سے وضاحت میں زیادہ ، مطول تفاسیر سے مقدار میں کم۔ چنانچہ اس غرض سے یہ اسلوب اختیار کیا گیا کہ پہلے ترجمہ میں زیادہ سے زیادہ وضاحت کی کوشش کی جائے پھر جابجا نوٹ بڑھا دیئے جائیں۔ اس سے زیادہ بحث و تفصیل کو دخل نہ دیا جائے۔ باقی رہا اصولی اور تفسیری مباحث کا معاملہ تو اس کے لیے دو الگ کتابیں "مقدمہ" اور "البیان" زیر ترتیب ہیں"۔(۶)

تاہم جیسے جیسے یہ کام آگے بڑھا اور مولانا کی سیاسی سرگرمیاں ان کے علمی کاموں میں حائل ہوتی گئیں، اس کام کا نقشہ بھی تبدیل ہوتا گیا۔ "البیان" جب سامنے نہ آسکی تو "ترجمان القرآن" ہی میں بعض مقامات پر اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ پہلی جلد میں جن مقامات پر محض مختصر حواشی لکھے گئے تھے، دوسری جلد میں انہی مقامات کی تفصیل بیان کر دی گئی۔ اس ترمیم کے باوجود مولانا کے نزدیک "ترجمان القرآن" کا اصل امتیاز اس کا ترجمہ ہے، مولانا لکھتے ہیں :

"ترجمان القرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ اس کی تمام خصوصیات کا اصل محل اس کا ترجمہ اور ترجمہ کا اسلوب ہے۔ اگر اس پر نظر رہے گی تو پوری کتاب پر نظر رہے گی۔ وہ اوجھل ہوگئی تو پوری کتاب نظر سے اوجھل ہو جائے گی"۔(۷)

ترجمے کے بعد ترجمان القرآن کی دوسری خوبی، مولانا کے نزدیک اس کے نوٹ ہیں۔ "ان کی ہر سطر تفسیر کا ایک پورا صفحہ بلکہ بعض حالتوں میں ایک پورے مقالے کی قائم مقام ہے"۔ ترجمان القرآن کی وجہ تالیف خود مولف کے الفاظ میں یہ ہے :

"ترجمان القرآن تفسیری مباحث کے رد و کد میں نہیں پڑتا صرف یہ کرتا ہے کہ اپنے پیش نظر اصول و قواعد کے ماتحت قرآن کے تمام مطالب ایک مرتب و منظم شکل میں پیش کردے"۔(۸)

ترجمان القرآن کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ ہر سورت کے ساتھ مطالب کی ایک فہرست دی گئی ہے جس سے اس کے مضامین کا اجمالی تعارف ہو جاتا ہے۔

مولانا آزاد چونکہ ایک صاحب طرز ادیب تھے، اس بناء پر ترجمان القرآن ان کے انشا کا بھرپور مظہر ہے۔ تاہم جہاں تک اصول تفسیر کا تعلق ہے تو وہ ائمہ تفسیر ہی کی تتبع کرتے نظر آتے ہیں اور بہت کم کوئی ایسی رائے قائم کرتے ہیں جو اسلاف کی رائے کے برخلاف ہو۔ مولانا کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو اپنے عہد میں ایک زندہ کتاب کے طور پر پیش کیا ہے جو مسلمانوں کے لیے واحد راہنما ہو سکتی ہے۔ سیّد سلیمان ندوی نے "ترجمان القرآن" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "مصنف ترجمان القرآن کی یہ دیدہ وری داد کے قابل ہے کہ انہوں نے وقت کی روح کو پہچانا اور اس فتنہ فرنگ کے عہد میں اسی طرز و روش کی پیروی کی جس کو ابن تیمیہ اور ابن قیم نے پسند کیا تھا اور جس طرح انہوں نے اس عہد کے مسلمانوں کی تباہی کا راز فلسفہ یونان کی دماغی پیروی کو قرار دیا، اسی طرح اس عہد کے مسلمانوں کی بربادی کا سبب ترجمان القرآن کے مصنف نے فلسفہ یونان و فرنگ کی ذہنی غلامی کو قرار دیا اور نسخہ علاج وہی تجویز کیا کہ کلام الٰہی کو رسول کی زبان و اصطلاح اور فطرت کی عقل و فلسفہ سے سمجھنا چاہیے"(۹)

افسوس کہ مولانا یہ ترجمہ مکمل نہ کر سکے تاہم اس وقت ترجمان القرآن کے عنوان سے جو کچھ موجود ہے، اور جس میں سورۃ الفاتحہ کی وہ تفسیر بھی شامل ہے، جو اصلاً "البیان" کا حصہ ہے، ایک شاہکار ہے، جو ہمیشہ زندہ رہے گا۔

معارف القرآن

مفتی محمد شفیع صاحب نے تفسیر کا یہ کام ۱۳۸۸ھ میں شروع کیا اور ۱۳۹۲ھ کو اس کی تکمیل ہوئی۔(۱۰) اس کی آٹھ جلدیں ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی ہدایت پر انہوں نے مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے ساتھ مل کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"احکام القرآن" مرتب کی جو قرآن سے مستنبط ہونے والے مسائل و احکام پر ایک جلیل القدر تالیف ہے۔ مفتی صاحب نے سورۃ شعراء سے سورۃ الناس تک کی آیات کی تفسیر دو جلدوں میں لکھی، جو "احکام القرآن" کی پانچویں اور چھٹی جلد ہے۔ یہ تصنیف عربی میں ہے اور مفتی صاحب کے تفقہ فی الدین اور وسعت نظر کی آئینہ دار ہے۔ لیکن ان کا اصل شاہکار معارف القرآن ہے۔ یہ تفسیر کئی مرحلوں میں مکمل ہوئی۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۴ء تک یہ ریڈیو پاکستان سے بالاقساط نشر ہوتی رہی۔(۱۱)

"معارف القرآن" میں مفتی صاحب نے اپنے طور پر کوئی ترجمہ نہیں کیا بلکہ مولانا محمود الحسن کا ترجمہ ہی اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک ترجمہ تفسیر سے زیادہ نازک معاملہ ہے اور چونکہ سلف کا ترجمہ موجود ہے، اس لیے اس کی ضرورت نہیں کہ کوئی نیا ترجمہ کیا جائے۔ تفسیر میں انہوں نے سب سے پہلے لغت کے مسائل پر توجہ دی ہے۔ پھر خلاصہ تفسیر کے تحت مختصراً قرآن کی تفسیر بیان کر دی ہے۔ یہ اسلوب انہوں نے مولانا اشرف علی تھانوی کی "بیان القرآن" سے لیا ہے بلکہ اسے ہی آسان لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ "بیان القرآن" کو اشرف التفاسیر کہا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ سیّد سلیمان ندوی نے اس کی تسہیل کا ارادہ کیا تھا، لیکن عملاً یہ کام مفتی محمد شفیع صاحب کے ہاتھوں مکمل ہوا۔ وہ "معارف القرآن" کے آغاز میں لکھتے ہیں:

> "زمانہ دراز سے ایک تمنا دل میں تھی کہ حکیم الامت، مجدد الملت، سیّدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی تفسیر بیان القرآن، جو ایک بے نظیر، مختصر، مگر جامع تفسیر اور سلف صالحین کی تفسیروں کا لب لباب ہے، لیکن وہ علمی زبان اور علمی اصطلاحات میں لکھی گئی ہے۔ آج کل کے عوام اس سے استفادہ کرنے سے قاصر ہو گئے ہیں، اس کے مضامین کو سہل زبان میں پیش کر دیا جائے۔ مگر یہ کام بھی کافی محنت اور فرصت چاہتا تھا۔ پاکستان میں آنے سے پہلے کچھ شروع بھی کیا پھر رہ گیا تھا۔ معارف القرآن کی اس تحریر نے بحمدللہ وہ آرزو بھی پوری کر دی کیونکہ اس تفسیر کی بنیاد احقر نے بیان القرآن ہی کو بنایا ہے"(۱۲)

خلاصہ تفسیر کے بعد مفتی صاحب معارف مسائل کے زیر عنوان قرآنی آیات کے مطالب کو واضح کرتے ہیں۔ مفتی صاحب کا تعلق دیوبندی مکتبہ فکر سے تھا اور تفسیر میں وہ اپنے اسلاف ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ کوئی نئی بات کہنے سے گریز کرتے ہیں اور عموماً تفسیر آیات میں وہی موقف اپناتے ہیں جو قدیم مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ عام طور پر صحاح کے علاوہ تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی، تفسیر بحر محیط اور تفسیر مظہری کے حوالے دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں عہد حاضر کے بعض مسائل کو بھی موضوع بنایا ہے۔ جیسے لاؤڈ سپیکر وغیرہ کا استعمال ہے۔[۱۳] اور یہ کوشش کی ہے کہ قرآن مجید، روایات اور اقوال سلف کی روشنی میں عصری مسائل کو سمجھا جائے۔

تفہیم القرآن

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی یہ تفسیر چھ جلدوں میں ہے۔ مولانا صدر الدین اصلاحی نے اس کی تلخیص بھی کی ہے۔ حال ہی میں ڈاکٹر جمیلہ شوکت اور ڈاکٹر خالد علوی صاحب نے اس کا انڈیکس بھی مرتب کر دیا ہے۔ جناب الطاف گوہر نے اس کے منتخب حصوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری نے بھی اس کا ترجمہ کیا ہے، جس کی تادم تحریر پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

تفہیم القرآن کی تحریر کا سلسلہ ۱۹۴۲ء میں شروع ہوا۔ یہ ماہنامہ ترجمان القرآن میں بالاقساط شائع ہوتی رہی۔ بعد میں یہ کتابی صورت میں چھپی۔ اس کی آخری جلد ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی۔

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے "تفہیم القرآن" میں ان ہی مسلمہ اصولوں کو بنیاد بنایا ہے جو دیگر تفاسیر میں ملحوظ رکھے گئے ہیں۔ تاہم کسی روایت یا سابقہ تفسیری رائے کو قبول کرنے، رد کرنے یا ترجیح دینے میں انہوں نے جمہور مفسرین سے اختلاف بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر "اقسام القرآن" کے معاملے میں انہوں نے قدیم مفسرین کی بجائے، امام حمیدالدین فراہی، کی تحقیق کو اختیار کیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی تفسیر، دیگر تفاسیر کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نسبت اپنے عہد کے مسائل سے زیادہ مربوط ہے۔ انہوں نے اس کی بھی سعی کی ہے کہ فلسفہ سائنس اور عمرانیات وغیرہ میں، اب تک ہونے والی تحقیقات کو پیش نظر رکھ کر قرآن مجید کی تفسیر کی جائے۔ اور قرآن کی روشنی میں اس کی تردید یا تائید کی جائے۔ ابتداء میں ان کے پیش نظر کسی ایسی تفسیر کا خاکہ نہیں تھا جس پر عرف عام میں لفظ تفسیر کا اطلاق ہو، لیکن بعد کی جلدوں میں تفسیری رنگ نمایاں ہوتا گیا۔ "تفہیم القرآن" کی ایک منفرد خصوصیت اس کا ترجمہ ہے۔ اس کے بارے میں صاحب تفہیم لکھتے ہیں:

> "میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کی بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے، اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کردوں۔ اسلوب بیان میں ترجمہ پن نہ ہو، اور کلام الٰہی کا مطلب و مدعا صاف صاف واضح ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا شاہانہ وقار اور زور بیان بھی جہاں تک بس چلے ترجمانی میں منعکس ہو جائے۔ اس طرح کے آزاد ترجمے کے لیے یہ تو بہر حال ناگزیر تھا کہ لفظی پابندیوں سے نکل کر ادائے مطالب کی جسارت کی جائے، لیکن معاملہ کلام الٰہی کا تھا، اس لیے میں نے بہت ڈرتے ڈرتے یہ آزادی برتی ہے۔ جس حد تک احتیاط میرے امکان میں تھی، اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے اس امر کا پورا اہتمام کیا ہے کہ قرآن کی اپنی عبارت جتنی آزادی بیان کی گنجائش دیتی ہے، اس سے تجاوز نہ ہونے پائے"(۱۴)

"تفہیم القرآن" کو اردو قارئین میں جو مقبولیت حاصل ہوئی، اس کی کوئی نظیر نہیں۔ ادارہ ترجمان القرآن کے تحت فروری ۱۹۸۸ء تک اس کے بائیس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس وقت تین ادارے "تفہیم القرآن" شائع کر رہے ہیں۔

ضیاء القرآن

پیر محمد کرم شاہ صاحب کی اس تفسیر کی پانچ جلدیں ہیں۔ اس کی پہلی جلد کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری، بریلوی مکتبہ فکر کے ترجمان ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی تفسیر میں عام فہم اسلوب اختیار کیا ہے۔ وہ ان مقامات کی تفسیر کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں، جن کی تفسیر میں عام طور پر اختلاف ہے۔ یا جن کی بنیاد پر بریلوی مکتبہ فکر کی طرف شرک یا بدعت کی نسبت کی جاتی ہے۔ ایسے مقامات پر انہوں نے قرآن مجید پر براہ راست غور کر کے کوئی رائے قائم کرنے کی بجائے کسی روایت یا تفسیری قول ہی کو اپنی ترجیح کی بنیاد بنایا ہے۔ اسی طرح وہ معاصر تفاسیر سے بھی وسعت قلب کے ساتھ استفادہ کرتے ہیں۔ پیر صاحب "ضیاء القرآن" کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> "میں نے پورے خلوص سے کوشش کی ہے کہ ایسے مقامات پر افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اپنے مسلک کی صحیح ترجمانی کردوں جو قرآن کریم کی آیات بینات، احادیث صحیحہ، یا امت کے علماء حق کے ارشادات سے ماخوذ ہو تاکہ نادان دوستوں کی غلط آمیزیوں یا اہل غرض کی بہتان تراشیوں کے باعث حقیقت پر جو پردے پڑ گئے ہیں، وہ اٹھ جائیں اور حقیقت آشکارہ ہو جائے۔ بفضلہ اس طرح بہت سے الزامات کا خود بخود ازالہ ہو جائے گا اور ان لوگوں کے دلوں سے یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی جو غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ واقعی ملت کا ایک حصہ شرک سے آلودہ ہے یا ان کے اعمال اور مشرکین کے اعمال میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ العیاذ باللہ"(۱۵)

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی نے ۱۹۶۶ء میں تدبر القرآن کی پہلی جلد مکمل کی۔ ابتدا یہ آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی اور اب یہ نو جلدوں میں چھپ رہی ہے۔ صاحب "تدبر قرآن" مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر کی بنیاد مروجہ تفسیری اصولوں پر نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھی۔ ان کے نزدیک تفسیری وسائل دو طرح کے ہیں۔ داخلی اور خارجی۔ داخلی وسائل میں قرآن کی زبان، اس کا نظم نمایاں ہیں جبکہ خارجی وسائل میں روایات، آثار اور تاریخ وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی تفسیر میں قرآن مجید کے نظم کو اصل الاصول کی حیثیت حاصل ہے۔ نظم سے مراد یہ ہے کہ چونکہ قرآن مجید کی ترتیب توقیفی ہے، یعنی قرآن پاک کی آیات اور سورتوں کی ترتیب اللہ تعالی کی مقرر کردہ ہے، اس لیے یہ ترتیب حکمت سے خالی نہیں۔ آیات اور سورتیں ایک خاص نظم میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ مولانا اصلاحی کے نزدیک نفس مضمون کے اعتبار سے پورا قرآن سات حصوں میں منقسم ہے اور سبعاً من المثانی سے بھی قرآن کی یہی مراد ہے۔ جہاں تک قرآن مجید کی اصطلاحات کے مفہوم کا تعلق ہے، تو ان کے نزدیک ان کا مفہوم سنت متواترہ کی روشنی میں متعین کیا جائے گا۔ مثلاً نماز، حج وغیرہ کی ادائیگی کا طریقہ امت کے اجتماعی تعامل سے طے ہوگا جو اللہ کے رسولؐ نے امت میں رائج کیا اور اجماع صحابہ سے بعد کے ادوار کو منتقل ہوا۔

مولانا اصلاحی "تدبر قرآن" کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> "میں نے اس تفسیر میں چونکہ نظم قرآن کو پوری اہمیت دی ہے، اس وجہ سے ہر جگہ میں نے ایک ہی قول اختیار کیا ہے، بلکہ اگر میں اس حقیقت کو صحیح لفظوں میں بیان کروں تو مجھے یوں کہنا چاہیئے کہ مجھے ایک ہی قول اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ کیونکہ نظم کی رعایت کے بعد مختلف وادیوں میں گردش کرنے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ صحیح بات اس طرح منقع ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ آدمی اگر بالکل اندھا، بہرا متعصب نہ ہو تو اپنی جان تو قربان کر سکتا ہے لیکن اس سے انحراف برداشت نہیں کر سکتا ہر سورت ایک مستقل وحدت ہے۔ اس کا ایک علیحدہ عنوان و موضوع (عمود) ہے۔ اور اس سورہ کے تمام اجزائے کلام اس عنوان سے نہایت گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ اب ایک قدم آگے بڑھ کر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن میں بحیثیت مجموعی بھی ایک مخصوص نظام ہے۔ جس کا ایک پہلو تو بالکل واضح ہے جو ہر شخص کو نظر آسکتا ہے لیکن ایک پہلو مخفی ہے جو

غور و تدبر سے سامنے آتا ہے۔۔۔ اگر آپ سورتوں کی اس ترتیب پر نظر ڈالیں جس ترتیب سے وہ مصحف میں ہیں تو ایک چیز آپ کو بالکل صاف نظر آئے گی کہ قرآن میں مکی اور مدنی سورتوں کے ملے جلے سات گروپ بن گئے ہیں، جن میں سے ہر گروپ ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتوں پر تمام ہوتا ہے۔ ہر گروپ میں پہلے مکی سورتیں ہیں ان کے بعد مدنی سورتیں ہیں۔۔۔ یہ بات بھی نظر آتی ہے کہ اس ترتیب میں قانون و شریعت کے گروپ کو تمام گروپوں پر مقدم کر دیا گیا ہے اور منذرات کے گروپ کو آخر میں کر دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انذار سے مقصود درحقیقت لوگوں کو غلط راہ سے موڑ کر صحیح راہ پر لگانا ہے اور صحیح راہ شریعت کی راہ ہے۔ اس وجہ سے جو چیز غایت و مقصود کی حیثیت رکھتی ہے، اس پر سب سے پہلے نگاہ پڑنی چاہیئے۔ امت کو بحیثیت امت مسلمہ جو دولت عطا ہوئی ہے وہ درحقیقت شریعت ہی ہے جو اہل کتاب سے اس امت کو منتقل ہوئی۔ اس وجہ سے پہلے گروپ میں اہل کتاب کی معزولی بھی بیان ہوئی ہے اور شریعت اسلامی کی تفصیل بھی۔ غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کے پہلے گروپ اور اس کے آخری گروپ میں وہی نسبت ہے، جو نسبت ایک عمارت اور اس کی بنیاد میں ہوتی ہے لیکن عمارت بن چکنے کے بعد سامنے جو چیز آتی ہے، وہ عمارت ہوتی ہے، بنیاد نیچے ہو جاتی ہے"(۱۶)

مولانا امین احسن اصلاحی نے تفسیر کے لیے جن اصولوں کو ماخذ بنایا ہے، ان کا تعین ان کے استاد امام حمید الدین فراہی نے کیا تھا۔ وہ خود ان اصولوں کی روشنی میں چند آخری سورتوں ہی کی تفسیر لکھ پائے، جنھیں مولانا اصلاحی نے "مجموعہ تفاسیر فراہی" کے نام سے مرتب کر دیا ہے۔ "تدبر قرآن" بلاشبہ ایک عہد ساز تفسیر ہے۔ ان تفسیری اصولوں پر تنقید ہو سکتی ہے اور ان تفسیری آراء پر بھی جو اس کے نتیجے میں سامنے آئی ہیں لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ مسلمانوں کی علمی روایت میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے اور اس نے بہت سے بنیادی تصورات کو تبدیل کر دیا ہے۔(۱۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لغات القرآن۔ مفہوم القرآن

غلام احمد پرویز صاحب نے قرآن مجید کی تعبیر و تشریح کے ضمن میں جو کام کیا، وہ تین طرح کا ہے "لغات القرآن" کے تحت انہوں نے قرآن مجید کے الفاظ کا ایک لغت مرتب کیا۔ اور اس میں انہوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ الفاظ کا وسیع تر مفہوم کیا ہے اور قرآن مجید میں یہ کس مفہوم میں مستعمل ہیں۔ پرویز صاحب کے نزدیک چونکہ عربی لغت و تفاسیر کی ترتیب و تدوین کا کام زیادہ تر عباسی دور میں ہوا ہے اور یہ وہ عہد ہے جب عجمی اثرات مسلمان معاشرے پر غالب آگئے تھے اور یوں" ان لوگوں کے قلم سے جو کچھ نکلا اس کے الفاظ تو عربی تھے لیکن الفاظ کے پیکروں میں تصورات عجمی تھے۔ پوری عربی زبان تصنیف و تالیف کے پہلے دور میں ہی غیر عربی تصورات کی حامل بن گئی"(۱۸) اس طرح "قرآنی الفاظ کے اس مفہوم میں فرق آگیا جو ان سے زمانہ نزول قرآن میں لیا جاتا تھا"۔ پرویز صاحب نے اس مشکل کے تدارک اور الفاظ کے درست مفہوم تک رسائی کے لیے ایک حل تجویز کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

> " عربی زبان کے وہ الفاظ جو زمانہ نزول قرآن میں مروج تھے، عربی ادب کی کتابوں میں موجود ہیں اور چونکہ وہ اشعار بھی موجود ہیں جن میں وہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس لیے (ان اشعار کی مدد سے) ان الفاظ کا وہ مفہوم بھی متعین کیا جا سکتا ہے جو ان سے زمانہ نزول قرآن میں لیا جاتا تھا۔ یہ الفاظ قرآن مجید میں بیشتر انہی معانی میں استعمال ہوئے ہیں، جن معانی میں وہ ان اشعار میں استعمال ہوئے تھے اور جن سے زمانہ نزول قرآن کے عرب اچھی طرح واقف تھے"(۱۹)

تنہا لغت سے پرویز صاحب کے نزدیک قرآن کے الفاظ کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا جا سکتا، کیونکہ لغت انسانی کوششوں کا نتیجہ ہے، جس میں سہو و خطا کا امکان باقی رہتا ہے۔ ان کے اصول تفسیر اگر نکات کی صورت مں بیان کیے جائیں تو وہ اس طرح ہیں :

۱۔ سب سے پہلے لفظ کے مادہ کو دیکھا جائے کہ اس کا بنیادی مفہوم کیا ہے اور خصوصیات کیا ہیں۔

۲۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ صحرا نشین عربوں کے ہاں اس لفظ کا استعمال کس کس انداز سے ہوتا تھا۔

۳۔ اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ قرآن کریم میں وہ لفظ کس کس مقام پر آیا اور قرآن نے اسے کس کس رنگ میں استعمال کیا ہے۔

۴۔ اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ قرآن کریم کی پوری تعلیم کا مجموعی تصور سامنے ہونا چاہیئے۔

لغات القرآن کے پیش لفظ میں انہوں نے امام حمید الدین فراہی کے اسلوب تفسیر کی بھی تعریف کی ہے اور اپنے ظرف کے مطابق ان کی قرآنی بصیرت سے استفادے کا بھی اظہار کیا ہے۔(۲۰)

قرآن مجید کی اصطلاحات کے مفاہیم کے بارے میں بھی پرویز صاحب کا اپنا ایک نقطہ نظر ہے۔ مثال کے طور پر "اقامت صلوۃ" کے تحت وہ لکھتے ہیں:

> "قرآن مجید کی ایک خاص اصطلاح "اقامت صلوۃ" ہے، جس کے عام معنی نماز قائم کرنا یا نماز پڑھنا کیے جاتے ہیں۔ لفظ صلوۃ کا مادہ (ص ل و) ہے جس کے بنیادی معنی کسی کے پیچھے چلنے کے ہیں، اس لیے صلوۃ میں "قوانین خداوندی" کے اتباع کا مفہوم شامل ہوگا۔ بنا بریں اقامت صلوۃ سے مفہوم ہوگا ایسے نظام یا معاشرہ کا قیام جس میں قوانین خداوندی کے اتباع کا تصور محسوس اور سمٹی ہوئی شکل میں سامنے آ جاتا ہے، اس لیے قرآن کریم نے اس اصطلاح کو ان اجتماعات کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ قرآنی آیات پر تھوڑا سا تدبر کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ کس مقام پر اقامت صلوۃ سے مراد اجتماعات نماز ہیں اور کس مقام پر قرآنی نظام یا معاشرے کا قیام"(۲۱)

پرویز صاحب قرآن کی تفسیر میں ان روایات کو بھی درست نہیں سمجھتے جو "شان نزول" کے عنوان سے بیان کی جاتی ہیں۔ قرآن مجید کے معرکۃ الآراء مسائل پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہوں نے "معارف القرآن" کے عنوان سے اظہار خیال کیا ہے، جو ابلیس و آدم شعلہ مستور، جوئے نور من ویزداں وغیرہ کے نام سے الگ الگ شائع ہو چکی ہیں۔

پرویز صاحب چونکہ سنت کو بنیادی ماخذ نہیں مانتے اس لیے امت میں ان کے نظریات کو عموماً پذیرائی نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں وہ قرآن کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے خود اپنے بتائے ہوئے اصولوں کا بھی لحاظ نہیں رکھتے۔ مثال کے طور پر ان کے نزدیک قرآن کی عربی وہ ہے جو عہد جاہلیت کی شاعری میں ملتی ہے اور محض لغت سے اس کا مفہوم متعین نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن قرآن کی تفسیر کرتے وقت وہ اکثر لغت ہی سے مدد لیتے ہیں۔

یہ چند معروف تفاسیر کا تعارف تھا جو ہم نے اجمالاً بیان کر دیا ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ تعارف اور تفسیر کی خصوصیات خود مفسر ہی کے الفاظ میں نقل کر دیئے جائیں۔ اس اجمال کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں، جس سے اس تفسیری کام کی علمی حیثیت کے تعین میں مدد ملے گی اور اس کے ساتھ وہ فرق بھی نمایاں ہو جائے گا جو تفسیری اصولوں کے اختلاف سے تفسیر قرآن میں واقع ہوتا ہے۔

سورۃ انفال کی آیات ۶۷، ۶۸، اور ۶۹ میں اللہ تعالی نے ایک جنگ کے موقع پر بعض لوگوں کے رویے پر تبصرہ کیا ہے۔ اب یہ لوگ کون ہیں اور ان آیات سے اللہ تعالی کا منشا کیا ہے، مفسرین نے اس کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ سب سے پہلے ہم مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

> "نبی کے لیے سزاوار نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی ہوں جب تک کہ ملک میں غلبہ نہ حاصل کر لے۔ (مسلمانو!) تم دنیا کی متاع چاہتے ہو اور اللہ چاہتا ہے(تمہیں) آخرت(کا اجر دے) اور اللہ غالب ہے حکمت والا۔ اگر(اس بارے میں) پہلے سے اللہ کا حکم نہ ہوگیا ہوتا تو جو کچھ تم نے (جنگ بدر میں مال غنیمت) لوٹا اس کے لیے ضرور تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔ بہر حال جو کچھ تمہیں غنیمت میں ہاتھ لگا ہے اسے حلال و پاکیزہ سمجھ کر اپنے کام میں لاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا، رحمت والا ہے"

ان آیات کی وضاحت میں مولانا آزاد لکھتے ہیں: "جنگ بدر میں جب دشمن قید ہوئے تو سوال پیدا ہوا اس بارے میں کیا کرنا چاہئے۔ چونکہ اس وقت مسلمان بڑی ہی تنگی و افلاس کی حالت میں تھے اس لیے عام رائے یہی تھی کہ قیدیوں کے لیے فدیہ مانگا جائے اور جب تک فدیہ وصول نہ ہو، قیدی رہا نہ کیے جائیں۔ بعض صحابہؓ کی رائے ہوئی کہ انہیں قتل کر دینا چاہئے۔ حضرت عمرؓ بھی انہیں میں تھے۔ لیکن آنحضرت نے عام رائے کے مطابق فیصلہ فرمایا اور قیدیوں کے لیے فدیہ طلب کیا گیا اور جن قیدیوں کے لیے فدیہ نہیں ملا وہ روک لیے گئے۔

اس پر آیت ۶۸ نازل ہوئی۔ فرمایا "دنیا میں نبی اس لیے نہیں آتے کہ ان کے پیرو دشمنوں کو قید رکھ کر فدیے کا روپیہ لیں بلکہ مقصود اصلی دعوت حق کا اعلان ہوتا ہے۔ بس نبی کو سزاوار نہیں کہ جب تک اس کی دعوت ملک میں ظاہر و غالب نہ ہو جائے۔ اسیران جنگ کو فدیے کے لیے روکے رکھے۔ تمہاری نظر متاع دنیا پر ہے اور خدا نے تمہارے لیے آخرت کا انعام پسند کیا ہے"۔ چنانچہ اس کے بعد آیت ۷۰ میں معاملہ صاف کر دیا، فرمایا! جو قیدی فدیے کے لیے روک لیے گئے ہیں ان سے کہہ دو اگر تمہاری نیتیں صاف ہیں تو تمہارے لیے کوئی کھٹکا نہیں۔ جہاں تک اسیران جنگ کا تعلق ہے، سورۃ محمد کی آیت ۴ نے آخری حکم دے دیا ہے، یعنی "آئندہ یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دیا کرو یا فدیہ لے کر، جیسی مصلحت وقت ہو"۔(۲۳)

مفتی محمد شفیع کے نزدیک ان آیات کا ترجمہ یوں ہے:

"نبی کو نہیں چاہئے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خوب خون ریزی نہ کرے ملک میں، تم چاہتے ہو اسباب دنیا کا، اور اللہ کے ہاں چاہئے آخرت، اور اللہ زور آور ہے حکمت والا۔ اگر نہ ہوتی ایک بات جس کو لکھ چکا اللہ پہلے سے تو تم کو پہنچتا اس لینے میں بڑا عذاب۔ سو کھاؤ جو تم کو غنیمت میں ملا حلال ستھرا اور ڈرتے رہو اللہ سے، بے شک اللہ ہے بخشنے والا مہربان"۔

مال غنیمت کے متعلق پچھلے تمام انبیاء کی شریعتوں میں قانون یہ تھا کہ مسلمانوں کو اس سے نفع اٹھانا اور استعمال کرنا حلال نہیں تھا بلکہ حکم یہ تھا کہ پورا مال غنیمت جمع کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے کسی میدان میں رکھ دیا جائے اور دستور الٰہی یہ تھا کہ آسمان سے ایک آگ آتی اور اس سارے مال کو جلا کر خاک کر دیتی۔ یہ علامت اس جہاد کے مقبول ہونے کی سمجھی جاتی تھی۔ اگر مال غنیمت کو جلانے کے لیے آسمانی آگ نہ آئے تو یہ اس کی علامت ہوتی ہے کہ جہاد میں کوئی کوتاہی رہی ہے جس کے سبب وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں۔

صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کفار سے حاصل ہونے والا مال غنیمت کسی کے لیے حلال نہیں تھا مگر امت مرحومہ کے لیے حلال کر دیا گیا۔ مال غنیمت کا اس امت کے لیے خصوصی طور پر حلال ہونا اللہ تعالیٰ کے تو علم میں تھا مگر غزوہ بدر کے واقعہ تک اس کے متعلق کوئی وحی آنحضرت ﷺ پر اس کے حلال ہونے کے متعلق نازل نہیں ہوئی تھی۔ اور غزوہ بدر میں صورت حال یہ پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بالکل خلاف قیاس غیر معمولی فتح عطا فرمائی۔ دشمن نے مال بھی چھوڑا جو بطور غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور ان کے بڑے بڑے ستر(۷۰) سردار مسلمانوں نے گرفتار کر لیے۔ مگر ان دونوں چیزوں کے جائز ہونے کی صراحت کسی وحی الٰہی کے ذریعہ ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔

اس لیے صحابہ کرامؓ کے اس عاجلانہ اقدام پر عتاب نازل ہوا۔ اسی عتاب و ناراضی کا اظہار ایک وحی کے ذریعہ کیا گیا جس میں جنگی قیدیوں کے متعلق بظاہر تو مسلمانوں کو دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تھا مگر اسی اختیار دینے میں ایک اشارہ اس کی طرف بھی کر دیا گیا تھا کہ مسئلہ کے دونوں پہلوؤں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک پسندیدہ اور دوسرا ناپسندیدہ ہے۔ جامع ترمذی، سنن، نسائی، صحیح ابن حبان میں بروایت علی المرتضیٰ منقول ہے کہ اس موقع پر حضرت جبریل امین رسولؐ کے پاس آئے۔ اور یہ حکم سنایا کہ آپ صحابہ کرام کو دو چیزوں میں اختیار دے دیجئے۔ ایک یہ کہ ان قیدیوں کو قتل کر کے دشمن کی شوکت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔ دوسرے یہ کہ ان کو فدیہ یعنی کچھ مال لے کر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اس دوسری صورت میں بامرالٰہی یہ طے شدہ ہے کہ اس کے بدلے آئندہ سال

مسلمانوں کے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے جتنے قیدی آج مال لے کر چھوڑ دیئے جائیں گے۔ یہ صورت اگرچہ تخییر کی تھی اور صحابہ کرام کو دونوں چیزوں کا اختیار دے دیا گیا تھا مگر دوسری صورت میں ستر(۷۰) مسلمانوں کی شہادت کا فیصلہ ذکر کرنے میں اس طرف ایک خفیف اشارہ ضرور موجود تھا کہ یہ صورت اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسند نہیں کیونکہ اگر یہ پسند ہوتی تو ستر(۷۰) مسلمانوں کا خون اس کے نتیجہ میں لازم نہ ہوتا۔

صحابہ کرامؓ کے سامنے جب یہ دونوں صورتیں بطور اختیار کے پیش ہوئیں تو بعض صحابہ کرامؓ کا خیال یہ ہوا کہ اگر ان لوگوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو بہت ممکن ہے کہ یہ سب یا بعض کسی وقت مسلمان ہو جائیں جو اصلی فائدہ اور مقصد جہاد ہے۔ دوسرا یہ بھی خیال تھا کہ مسلمان اس وقت افلاس کی حالت میں ہیں۔ اگر ستر آدمیوں کا مالی فدیہ ان کو مل گیا تو ان کی تکلیف بھی دور ہوگی اور آئندہ کے لیے جہاد کی تیاری میں بھی مدد مل جائے گی۔ رہا ستر(۷۰) مسلمانوں کا شہید ہونا سو وہ مسلمانوں کے لیے خود ایک نعمت و سعادت ہے، اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ ان خیالات کے پیش نظر صدیق اکبرؓ اور اکثر صحابہ کرامؓ نے یہی رائے دی کہ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔ صرف حضرت عمرؓ بن خطاب اور سعدؓ بن معاذ وغیرہ چند حضرات نے اس رائے سے اختلاف کر کے ان سب کو قتل کر دینے کی رائے اس بنیاد پر دی کہ یہ حسن اتفاق ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں قوت و طاقت فراہم کرنے والے سارے قریشی سردار اس وقت قابو میں آگئے ہیں۔ ان کا قبول اسلام تو موہوم خیال ہے مگر یہ گمان غالب ہے کہ یہ لوگ واپس ہوکر پہلے سے زیادہ مسلمانوں کے خلاف سرگرمی کا سبب بنیں گے۔ رسولؐ جو رحمۃ للعالمین ہوکر تشریف لائے تھے اور رحمت مجسم تھے، صحابہ کرامؓ کی دو رائیں دیکھ کر آپ نے اس رائے کو قبول کر لیا جس میں قیدیوں کے معاملہ میں رحمت اور سہولت تھی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ آپ نے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کو خطاب کر کے فرمایا لو اتفقتما ما خالفتکما یعنی اگر تم دونوں کسی ایک رائے پر متفق ہو جاتے تو میں تمہاری رائے کے خلاف نہ کرتا (مظہری)۔ اختلاف رائے کے وقت آپ کی رحمت و شفقت علی الخلق کا تقاضا یہی ہوا کہ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے معاملے میں آسانی اختیار کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اس کے نتیجہ میں آئندہ سال غزوہ احد کے موقع پر اشارات ربانی کے مطابق ستر (۷۰) مسلمانوں کے شہید ہونے کا واقعہ پیش آیا۔

" تریدون عرض الدنیا" میں ان صحابہ کرام کو خطاب ہے جنھوں نے فدیہ لے کر چھوڑنے کی رائے دی تھی۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ آپ حضرات نے ہمارے رسول کو نامناسب مشورہ دیا۔ کیونکہ کسی نبی کے لیے یہ شایان شان نہیں ہے کہ اس کو دشمنوں پر قابو مل جائے تو ان کی قوت و شوکت کو نہ توڑے اور مفسد قسم کے دشمن کو باقی رکھ کر مسلمانوں کے لیے ہمیشہ کی مصیبت قائم کر دے۔

اس آیت میں " حتی یثخن فی الارض" کے الفاظ آئے ہیں۔ لفظ "اثخان" کے معنی لغت میں کسی کی قوت و شوکت کو توڑنے میں مبالغہ سے کام لینے کے ہیں۔ اس معنی کی تاکید کے لیے لفظ "فی الارض" لایا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ دشمن کی شوکت کو خاک میں ملا دے۔

جن صحابہ کرام نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے دی تھی اگرچہ ان کی رائے میں ایک جز خالص دینی تھا یعنی آزادی کے بعد ان لوگوں کے مسلمان ہو جانے کی امید۔ مگر ساتھ ہی دوسرا جز اپنی ذاتی منفعت کا بھی تھا کہ ان کو مال ہاتھ آجائے گا۔ اور ابھی تک کسی نص صریح سے اس مال کا جائز ہونا بھی ثابت نہ تھا۔ اس لیے انسانوں کا وہ معاشرہ جو رسولؐ کے زیر تربیت اس پیمانہ پر بنایا جا رہا تھا کہ ان کا مرتبہ فرشتوں سے بھی آگے ہو ان کے لیے یہ مال کی طرف دھیان بھی ایک قسم کی معصیت سمجھی گئی۔ اور جو کام جائز و ناجائز کاموں سے مرکب ہو اس کا مجموعہ ناجائز ہی کہلاتا ہے اس لیے صحابہ کرام کا یہ عمل قابل عتاب قرار دے کر یہ ارشاد نازل ہوا۔

" تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم" یعنی تم لوگ دنیا کو چاہتے ہو حالانکہ اللہ تعالی تم سے یہ چاہتا ہے کہ تم آخرت کے طالب بنو۔ یہاں بطور عتاب کے ان کے صرف اس فعل کا ذکر کیا گیا جو وجہ ناراضی تھا دوسرا سبب یعنی

قیدیوں کے مسلمان ہو جانے کی امید، اس کا یہاں ذکر نہیں فرمایا۔ جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ صحابہ کرام جیسی پاکباز مخلص جماعت کے لیے ایسی مشترک نیت جس میں کچھ دین کا جز ہو کچھ اپنے دنیوی نفع کا، یہ بھی قابل قبول نہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ اس آیت میں عتاب و تنبیہ کا خطاب صحابہ کرامؓ کی طرف ہے۔ اگرچہ رسول کریم ﷺ نے بھی ان کی رائے کو قبول فرما کر ایک گونہ شرکت ان کے ساتھ کر لی تھی مگر آنحضرت ﷺ کا یہ عمل خالص آپ کے رحمت اللعالمین ہونے کا مظہر تھا کہ صحابہ میں اختلاف رائے ہونے کی صورت میں اس صورت کو اختیار فرما لیا جو قیدیوں کے حق میں سہولت و شفقت تھی۔

آخر آیت میں " واللہ عزیز حکیم " فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ زبردست، حکمت والے ہیں اگر آپ لوگ جلد بازی نہ کرتے تو وہ اپنے فضل سے آئندہ فتوحات میں تمہارے لیے مال و دولت کا بھی سامان کر دیتے۔

دوسری آیت میں اسی عتاب کا تتمہ ہے جس میں فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کام تم نے اختیار کیا کہ مال لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اس کے بارے میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہو جاتی۔

اس نوشتہ تقدیر سے کیا مراد ہے، اس کے متعلق ترمذی میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ منقول ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ مال غنیمت تم سے پہلے کسی قوم، کسی امت کے لیے حلال نہیں تھا۔ بدر کے موقع پر جب مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے۔ حالانکہ ابھی تک ان کے لیے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مال غنیمت کے حلال ہونے کا حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں کا یہ اقدام ایسا گناہ تھا کہ اس پر عذاب آ جانا چاہیئے تھا لیکن چونکہ اللہ کا یہ حکم لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا کہ اس امت کے لیے مال غنیمت حلال کیا جائے گا اس لیے مسلمانوں کی اس خطاء پر عذاب نازل نہیں کیا گیا تھا۔ (مظہری)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض روایات حدیث میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر رسول نے فرمایا کہ عذاب الٰہی بالکل سامنے آ چکا تھا۔ اللہ نے اپنے فضل سے روک دیا اور اگر عذاب آ جاتا تو بجز عمر بن خطابؓ اور سعد بن معاذؓ کے کوئی اس سے نہ بچتا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سبب عتاب قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دینا تھا اور ترمذی کی روایت سابقہ سے اس کا سبب مال غنیمت جمع کرنا معلوم ہوتا ہے مگر دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ قیدیوں سے فدیہ لینا بھی مال غنیمت ہی کا جزو ہے۔(۲۵)

مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودی نے ان آیات کا درج ذیل ترجمہ کیا ہے :

> "کسی نبی کے لیے یہ زیب نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے، اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔ پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے"

مولانا کے نزدیک ان آیات کی تفسیر یہ ہے : "اس آیت کی تفسیر میں اہل تاویل نے جو روایات بیان کی ہیں وہ یہ ہیں کہ جنگ بدر میں لشکر قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے تھے ان کے متعلق بعد میں مشورہ ہوا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے اور حضرت ابوبکرؓ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ قتل کر دیا جائے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے قبول کی اور فدیہ کا معاملہ طے کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات بطور عتاب نازل فرمائیں۔ مگر مفسرین آیت کے اس فقرے کی کوئی معقول تاویل نہیں کر سکے ہیں کہ "اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا" وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تقدیر الٰہی ہے، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ ارادہ فرما چکا تھا کہ مسلمانوں کے لیے غنائم کو حلال کر دے گا لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب تک وحی تشریعی کے ذریعہ سے کسی چیز کی اجازت نہ دی گئی ہو، اس کا لینا جائز نہیں ہو سکتا۔ پس نبیؐ سمیت پوری

اسلامی جماعت اس تاویل کی رو سے گناہ گار قرار پاتی ہے اور ایسی تاویل کو اخبار احاد کے اعتماد پر قبول کر لینا ایک بڑی ہی سخت بات ہے۔

میرے نزدیک اس مقام کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جنگ بدر سے پہلے سورہ محمد میں جنگ کے متعلق جو ابتدائی ہدایات دی گئی تھیں، ان میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ" حرکہ فاذالقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فدآء حتی تضع الحرب اوزارھا" (آیت ۴)۔ اس ارشاد میں جنگی قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی تھی کہ پہلے دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچل دیا جائے پھر قیدی پکڑنے کی فکر کی جائے۔ اس فرمان کی رو سے مسلمانوں نے بدر میں جو قیدی گرفتار کیے اور اس کے بعد ان سے جو فدیہ وصول کیا وہ تھا تو اجازت کے مطابق، مگر غلطی یہ ہوئی کہ " دشمن کی طاقت کو کچل دینے" کی جو شرط مقدم رکھی گئی تھی اسے پورا کرنے میں کوتاہی کی گئی۔ جنگ میں جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگ گیا اور بہت کم آدمیوں نے دشمنوں کا کچھ دور تک تعاقب کیا۔ حالانکہ اگر مسلمان پوری طاقت سے ان کا تعاقب کرتے تو قریش کی طاقت کا اسی روز خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ عتاب فرما رہا ہے اور یہ عتاب نبیؐ پر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں پر ہے۔ فرمان مبارک کا منشا یہ ہے کہ " تم لوگ ابھی نبی کے مشن کو اچھی طرح نہیں سمجھے ہو۔ نبی کا اصل کام یہ نہیں ہے کہ فدیے اور غنائم وصول کر کے خزانے بھرے، بلکہ اس کے نصب العین سے جو چیز راہ راست تعلق رکھتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ کفر کی طاقت ٹوٹ جائے مگر تم لوگوں پر بار بار دنیا کا لالچ غالب ہو جاتا ہے۔ پہلے دشمن کی اصل طاقت کے بجائے قافلے پر حملہ کرنا چاہا، پھر دشمن کا سر کچلنے کے بجائے غنیمت لوٹنے اور قیدی پکڑنے میں لگ گئے، پھر غنیمت پر جھگڑنے لگے۔ اگر ہم پہلے فدیہ وصول کرنے کی اجازت نہ دے چکے ہوتے تو اس پر تمہیں سخت سزا ملتی۔ خیر اب جو کچھ تم نے لیا ہے وہ کھا لو، مگر آئندہ ایسی روش سے بچتے رہو جو خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ میں اس رائے پر پہنچ چکا تھا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام جصاص کی کتاب " احکام القرآن" میں یہ دیکھ کر مجھے مزید اطمینان حاصل ہوا کہ امام موصوف بھی اس تاویل کو کم از کم قابل لحاظ ضرور قرار دیتے ہیں۔ پھر سیرت ابن ہشام میں یہ روایت نظر سے گزری کہ جس وقت مجاہدین اسلام مال غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگے ہوئے تھے۔ نبیؐ نے دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذؓ کے چہرے پر کچھ کراہت کے آثار ہیں۔ حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ " اے سعد، معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی یہ کارروائی تمہیں پسند نہیں آ رہی ہے" انہوں نے عرض کیا " جی ہاں یارسول اللہ، یہ پہلا معرکہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل شرک کو شکست دلوائی ہے، اس موقع پر انہیں قیدی بنا کر ان کی جانیں بچا لینے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ ان کو خوب کچل ڈالا جاتا" (جلد ۲، ص ۲۸۰۔۲۸۱)۔(۲۶)

پیر محمد کرم شاہ کے نزدیک ان آیات کا درست ترجمہ یہ ہے :

" نہیں مناسب نبی کے لیے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرے زمین میں۔ تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لیے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب (اور) دانا ہے۔ اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطاء اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں بوجہ اس کے جو تم نے لیا ہے بڑی سزا۔ سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے حلال (اور) پاکیزہ۔ اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

تفسیر میں وہ لکھتے ہیں: " علامہ قرطبیؒ اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ آیت بدر کے روز نازل ہوئی۔ اس میں صحابہ کرام پر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میدان بدر میں کفار کے قدم اکھڑے اور وہ وہاں سے بھاگ نکلے تو چاہئے اس کے کہ مسلمان اسی جوش و خروش سے ان کا تعاقب کرتے اور کفر و شرک کے ان سرغنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تاکہ کفر کی کمر ٹوٹ جاتی اور اس کے پرستاروں کی قوت و نخوت بالکل دم توڑ دیتی۔ وہ مال غنیمت اکٹھا کرنے اور قیدیوں کو جکڑ بند کرنے میں مشغول ہوگئے اور مسلمانوں کے اس طرز عمل سے بڑے بڑے کافر جان بچا

کر نکل جانے میں کامیاب ہوگئے اور سالہا سال تک مسلمانوں کے لیے تکلیف کا باعث بنے رہے۔ اگر اس روز مال غنیمت جمع کرنے کے بجائے ان کفار کا قلع قمع کر دیا جاتا تو کفر کی طاقت کا اسی روز خاتمہ ہو جاتا۔ جب حضرت سعد بن معاذؓ، عمر بن خطابؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ نے مسلمانوں کو غنیمت سمیٹتے ہوئے دیکھا تو ان بزرگواروں کو سخت ناگوار گزرا۔

توضیح مرام کے لیے مولانا مودودیؒ کی یہ عبارت بہت مفید ہے۔ اسی آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ میرے نزدیک اس مقام کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جنگ بدر سے پہلے سورہ محمدؐ میں جنگ کے متعلق جو ابتدائی ہدایات دی گئی تھیں، ان میں یہ اشارہ ہوا تھا کہ " فاذا القیتم الذین کفرو فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فامامنا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا"۔ اس ارشاد میں جنگی قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی تھی کہ پہلے دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچل دیا جائے، پھر قیدی پکڑنے کی فکر کی جائے۔ اس فرمان کی رو سے مسلمانوں نے بدر میں جو قیدی گرفتار کیے اور اس کے بعد ان سے جو فدیہ وصول کیا وہ تھا تو اجازت کے مطابق مگر غلطی یہ ہوئی کہ دشمن کی طاقت کو کچل دینے کی جو شرط مقدم رکھی گئی تھی اسے پورا کرنے میں کوتاہی کی گئی۔ جنگ میں جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگ گیا اور بہت کم آدمیوں نے دشمن کا کچھ دور تک تعاقب کیا حالانکہ اگر مسلمان پوری طاقت سے ان کا تعاقب کرتے تو قریش کی طاقت کا اسی روز خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ عتاب فرما رہا ہے۔ اور یہ عتاب نبیؐ پر نہیں بلکہ مسلمانوں پر ہے" (تفہیم القرآن جلد دوم)۔ (۲۷)

مولانا امین احسن اصلاحی ان آیات کو ایک بالکل دوسرے سیاق و سباق میں دیکھ رہے ہیں۔ ان کے نزدیک ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

> "کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ اس کو قیدی ہاتھ آئیں یہاں تک کہ وہ اس کے لیے ملک میں خونریزی برپا کر دے۔ یہ تم ہو جو دنیا کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سروسامان کے طالب ہو، اللہ تو آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے موجود نہ ہوتا تو جو روش تم نے اختیار کی اس کے باعث تم پر ایک عذاب عظیم آ دھمکتا۔ ۶۷۔ ۶۸۔ پس جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا اس کو حلال و طیب سمجھ کر کھاؤ برتو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے"۔ (۶۹)

مولانا کے نزدیک ان آیات کی صحیح تاویل یہ ہے:" ماکان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض، ماکان کا اسلوب بیان الزام یا رفع الزام دونوں کے لیے آسکتا ہے اور قرآن میں دونوں ہی قسم کے مواقع میں یہ اسلوب استعمال ہوا ہے۔ اس امر کا تعین کہ یہ الزام کے لیے ہے یا رفع الزام کے لیے موقع و محل سیاق و سباق، قرینے اور مخاطب کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ بعینہ یہی اسلوب بیان آل عمران ۱۶۱ میں ہے۔ وما کان لنبی ان یغل ومن یغلل یات بما غل یوم القیمة (اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کے ساتھ حاضر ہوگا) ظاہر ہے کہ یہ آیت الزام کے لیے نہیں بلکہ رفع الزام اور نبی کی تنزیہ شان کے لیے ہے۔ اس آیت کے بارے میں تمام اہل تاویل کا اتفاق ہے کہ منافقین کو مخاطب کر کے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ تم نبی پر خیانت کی جو تہمت دھرتے ہو، یہ سورج پر تھوکنے کی کوشش کے مترادف ہے۔ کوئی نبی بھی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ وہ خیانت اور بے وفائی کا مرتکب ہو۔ ٹھیک اسی اسلوب پر آیت زیر بحث میں قریش کی تردید کی گئی ہے کہ تم نبی پر یہ الزام جو لگاتے ہو کہ یہ ہوس اقتدار میں مبتلا ہیں، اپنی قوم میں انہوں نے خونریزی کرائی، اپنے بھائیوں کو قید کیا، ان کا مال لوٹا، ان سے فدیہ وصول کیا، یہ ساری باتیں تمہاری کھسیاہٹ مٹانے کے لیے ہیں۔ کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ وہ قیدی پکڑنے، فدیہ وصول کرنے اور مال غنیمت لوٹنے کے شوق میں ملک میں خونریزی برپا کر دے۔ یہ باتیں تم اس لیے کہتے ہو کہ تم نبی کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہو۔ تمہاری چاہتیں چونکہ یہی کچھ ہیں، تم سمجھتے ہو کہ نبی بھی یہی کچھ چاہتا ہے۔

"تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ" یہ خطاب قریش سے ہے۔ قرآن میں خطاب کا انداز بالکل اسی طرح ہوتا ہے جو ایک اعلیٰ خطیب تقریر میں اختیار کرتا ہے۔ جتنی پارٹیاں سامنے ہوتی ہیں، بیک وقت سب کی طرف رخ بدل بدل کر ان کے ذہن کے لحاظ سے بات کہتا چلا جاتا ہے۔ خود بات ہی واضح کر دیتی ہے کہ مخاطب کون ہے اور اس کے کس شبہ یا اعتراض کا کیا جواب دیا گیا ہے۔ یہاں بھی یہی صورت۔ اس آیت کا مخاطب مسلمانوں کو اور وہ بھی سید عالم ﷺ اور صدیق اکبرؓ کو ماننے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اور بالفرض اس آیت کا مخاطب دل پر جبر کر کے نبی اور صدیقؓ کو تھوڑی دیر کے لیے کوئی مان بھی لے تو اس کے بعد جو آیت آ رہی ہے اس کا مخاطب نبی اور صدیقؓ کو ماننے کے لیے کوئی دل و جگر کہاں سے لائے۔

بہر حال ہمارے نزدیک یہ خطاب قریش سے ہے اور یہ ان کے اس پروپیگنڈے کا جواب دیا جا رہا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ فرمایا کہ اس قسم کی دنیا طلبی تمہارا ہی شیوہ ہے۔ اللہ تو آخرت کو چاہتا ہے۔ یہاں اسلوب بیان کی یہ بلاغت ملحوظ رہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ نبی اور اہل ایمان آخرت کے طلب گار ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ اللہ آخرت کو چاہتا ہے۔ اس سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ نبی اور اہل ایمان کے ہاتھوں جو کچھ یہ ہو رہا ہے یہ ان کی اپنی مرضی سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ اللہ کی مرضی اور اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ نبی اور اہل ایمان کی حیثیت اس سارے کام میں محض آلہ اور واسطہ کی ہے۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں یہی عین اللہ کا ارادہ اور اس کی مرضی ہے۔ اللہ کی مرضی اپنے بندوں کے لیے یہ ہے کہ وہ ہر کام آخرت کو اپنا نصب العین بنا کر کریں تو نبی اور اس کے ساتھیوں کا کوئی اقدام اللہ کی مرضی کے خلاف کس طرح ہو سکتا ہے۔ گویا بدر اور اس سلسلہ کے تمام اقدامات کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لے لی۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ عزیز و حکیم ہے۔ وہ جو ارادہ فرماتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور اس کا ہر ارادہ عدل و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اب تم جو ژاژخائی کرنا چاہتے ہو کرتے رہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لولاکتب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذ تم عذاب عظیم" یعنی تم نے اتنے ہی پر یہ واویلا برپا کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ تو صرف ایک چرکا ہے جو تمہیں لگا ہے تم نے جو شرارت اس موقع پر کی تھی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس پر تمہیں ایک عذاب عظیم آپکڑتا لیکن اللہ نے چونکہ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، جس سے پہلے کسی قوم کا فیصلہ نہیں ہوتا اس وجہ سے اس نے تمہیں مہلت دے دی۔ مطلب یہ ہے کہ اس شور و غوغا کے بجائے بہتر یہ ہے کہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاؤ اور اس فیصلہ کن گھڑی کے آنے سے پہلے پہلے اپنی روش کی اصلاح کرلو۔

" فیما اخذ تم، میں ما کے ابہام کی یہاں کوئی وضاحت موجود نہیں ہے اور اخذ کا لفظ لینے، پکڑنے، اختیار کرنے، کسی ڈھب کو اپنانے، کسی کام کو شروع کرنے سب کے لیے آتا ہے۔ سورۃ توبہ میں ہے" وان تصبک مصیبۃ یقولو قد اخذنا امرنا من قبل" (التوبہ ۵۰)۔ اور (اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ منافق کہتے ہیں خوب ہوا ہم نے اپنا بچاؤ پہلے ہی کر لیا تھا)۔ یہاں یہ مطلب ہوگا کہ جو طریقہ تم نے اختیار کیا اس کی بناء پر تم سزاوار تو تھے ایک عذاب عظیم کے لیکن اللہ کے قانون کے تحت تمہیں کچھ مہلت مل گئی۔

ہمارے مفسرین کو ان آیات کی تاویل میں بڑی الجھن پیش آئی ہے۔ ان کے نزدیک یہ نبیؐ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہؓ اجمعین پر عتاب ہے کہ وہ زمین میں خون ریزی کیے بغیر بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر کیوں راضی ہوگئے۔ صحیح تاویل واضح ہو جانے کے بعد اب اس بات کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہی تاہم چند باتیں ذہن میں رکھیے۔

ایک یہ کہ فدیہ قبول کرنے کے معاملے میں نبیؐ اور صحابہؓ سے بالفرض غلطی ہوئی بھی تو یہ کسی سابق ممانعت کی خلاف ورزی کی نوعیت کی غلطی نہیں تھی بلکہ صرف اجتہاد کی غلطی تھی۔ اجتہاد کی غلطی ایسی چیز نہیں ہے جس پر ایسی سخت وعید وارد ہو۔ بالخصوص ایک ایسا اجتہاد جس کی تصدیق فوراً ہی خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہو۔

دوسری بات یہ کہ یہ اجتہاد کی غلطی بھی نہیں تھی۔ جنگ کے قیدیوں سے متعلق یہ قانون سورۃ محمد میں پہلے بیان ہو چکا تھا کہ وہ قتل بھی کیے جا سکتے ہیں۔ فدیہ لے کر بھی چھوڑے جا سکتے ہیں اور بغیر فدیہ لیے محض احساناً بھی چھوڑے جا سکتے ہیں۔

تیسری یہ کہ جہاں تک خون ریزی کا تعلق ہے اس کے اعتبار سے بھی بدر میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ قریش کے ستر (۷۰) آدمی جن میں بڑے بڑے سردار بھی تھے، مارے گئے، کم و بیش اتنے ہی آدمی قید ہوئے۔ باقی فوج بھاگ کھڑی ہوئی تو آخر لڑائی کس طرح جاری رکھی جاتی؟۔

چوتھی یہ کہ یہاں عتاب کے جو الفاظ ہیں، وہ قرآن کے مخصوص الفاظ ہیں۔ جو شخص قرآن کے انداز بیان سے آشنا ہے وہ جانتا ہے کہ ان لفظوں میں قرآن نے کٹر کفار و منافقین کے سوا اور کسی پر عتاب نہیں کیا ہے۔ نقل کرنے میں طوالت ہوگی، جس کو تردد ہو، وہ قرآن میں ان تمام مواقع پر ایک نظر ڈال لے، جہاں لولا کتب من اللہ الایہ ، کے الفاظ سے کسی پر عتاب ہوا ہے"۔ (۲۸)

غلام احمد پرویز صاحب کے نزدیک ان آیات کا مفہوم یہ ہے :

"یاد رکھو! اس خیال کو اپنے دل میں کبھی نہ آنے دو کہ تم دشمن کے زیادہ سے زیادہ آدمی گرفتار کر لو تاکہ ان کے زر فدیہ سے تمہارے پاس بہت سامان جمع ہو جائے جنگ سے تمہارا مقصد دولت حاصل کرنا نہیں۔ تمہارے پیش نظر نظام خداوندی کا قیام ہے۔ اس کے لیے تمہیں ملک میں ایسا غلبہ و اقتدار حاصل ہونا چاہیئے جس سے حق کے مخالفین بے دست و پا ہو کر رہ جائیں۔ تم قریبی پیش پا افتادہ مفاد حاصل کرنا چاہتے ہو، اور قانون خداوندی کی نگاہ مستقبل پر ہے۔ یاد رکھو! قانون خداوندی غلبہ اور حکمت دونوں کو اپنے دامن میں رکھتا ہے۔ اگر قانون خداوندی میں اس قسم کی فروگزاشتوں سے درگزر کر دینے کی گنجائش پہلے سے موجود نہ ہوتی تو جو کچھ تم کرنے لگے تھے اس پر تمہاری سخت گرفت ہو جاتی۔ البتہ یہ مال غنیمت جسے تم نے فتح کے بعد حاصل کیا ہے، اسے حلال و طیب سمجھ کر کھاؤ۔ لیکن اس باب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بھی ہمیشہ قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔ یاد رکھو! حفاظت اور مرحمت کا سامان قوانین خداوندی کی رو سے حاصل ہوتا ہے۔(۲۹)

یہ تفاسیر بیسویں صدی میں سامنے آئیں، ان کے تقابلی مطالعہ سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے اہل علم نے کون سے تفسیری اصول اپنائے اور اصول تفسیر میں اختلاف سے آیات قرآنی کے مفہوم میں کیا فرق واقع ہوتا ہے۔

حواشی

۱۔ ابو الکلام آزاد مرتبہ عبداللہ بٹ۔ لاہور۔ ۱۹۴۳ء

۲۔ ابو سلمان شاہجہانپوری ابوالکلام آزاد(بحیثیت مفسر و محدث) کراچی۔ ۱۹۸۴ء۔ ص ۴۷

۳۔ ابوالکلام آزاد۔ تذکرہ۔ لاہور۔ مکتبہ عالیہ۔ ص ۱۹۵

۴۔ یہ اعلان "البلاغ" کے پہلے شمارے سے آخری شمارے تک شائع ہوتا رہا۔

۵۔ ابوالکلام آزاد۔ تذکرہ۔ ص ۷۶۔۱۷۵

۶۔ ابوالکلام آزاد۔ ترجمان القرآن۔ جلد سوم۔ نئی دلی۔ ساہیہ اکادیمی۔ ۱۹۶۸ء

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

۹۔ ابو سلمان شاہجہانپوری۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۲۱۔۲۲

۱۰۔ مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن۔ جلد اول۔ ص ۶۷

۱۱۔ انیس الرحمان قاسمی۔ علامہ مفتی محمد شفیع کی تفسیر معارف القرآن کا جائزہ۔ قرآن مجید کی تفسیریں۔ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ۔ ص ۳۳۹

۱۲۔ مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن۔ جلد اول۔ ص ۶۸

۱۳۔ مثال کے طور پر دیکھئے۔ معارف القرآن۔ جلد اول۔ ص ۷۷۔۳۷۹

۱۴۔ ابوالاعلیٰ مودودی۔ تفہیم القرآن۔ جلد اول۔ لاہور۔ مکتبہ تعمیر انسانیت۔ ایڈیشن ۱۱۔ ۱۹۷۳ء۔ ص ۱۰۔۱۱

۱۵۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری۔ ضیاء القرآن۔ جلد اول۔ ص ۱۱

۱۶۔ امین احسن اصلاحی۔ تدبر القرآن۔ جلد اول۔ لاہور

۱۷۔ تفصیل کے لیے دیکھئے۔

Mustansir Mir coherence in Quran American Trust publications 1986.

۱۸۔ غلام احمد پرویز۔ لغات القرآن۔ جلد اول۔ لاہور۔ ص۹
۱۹۔ ایضاً ص ۱۲
۲۰۔ ایضاً ص ۲۱
۲۱۔ غلام احمد پرویز۔ مفہوم القرآن۔ جلد اول
۲۲۔ خورشید احمد ندیم۔ پرویز صاحب کی اصل غلطی۔ اشراق۔ لاہور۔ ج ۷ ش ۷
۲۳۔ ابوالکلام آزاد۔ ترجمان القرآن ۔ جلد سوم۔ ص ۲۱۵۔۲۱۶
۲۴۔ مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن۔ جلد چہارم۔ ص ۲۸۱
۲۵۔ ایضاً ، ص ۲۸۲ تا ۲۸۵
۲۶۔ ابوالاعلیٰ مودودی۔ تفہیم القرآن۔ جلد دوم۔ ص ۱۵۹۔۱۶۰
۲۷۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری۔ ضیاء القرآن۔ جلد دوم۔ ص ۱۶۵،۱۶۶
۲۸۔ امین احسن اصلاحی۔ تدبر قرآن۔ جلد سوم۔ ص ۱۰۰ تا ۱۰۳
۲۹۔ غلام احمد پرویز۔ مفہوم القرآن۔ جلد اول۔ ص ۳۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com